محمد سعید الرحمٰن علوی تنقید و تبصرہ

مولانا ابوالکلام آزاد پر ایک تہمت کی حقیقت

مولانا ابوالکلام آزاد کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے جو مقام بلند عطا فرمایا تھا اُس کی کوئی نظیر متعدد گذشتہ صدیوں میں نظر نہیں آتی پھر ان کی جامعیت، ہر دائرے میں مرتبہ بلند پر فائز، ان سب نعائم الہٰی کے بعد اپنے معتقدات کے لیے عمل کی ہمت، ان پر کاربندی کی مردانگی، اور راہِ حق و صداقت میں ہر قسم کی تکلیفیں بے توقف جھیل لینے کی لامتناہی استطاعت۔

میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا جس نے تیس برس کی عمر میں دنیا بھر کی آنکھیں فرطِ عقیدت سے اپنے لیے فرشِ راہ دیکھی ہوں پھر جب معتقدات کے لیے مجاہدے کا وقت آیا تو ہر دل عزیزی کی ہر متاع بے دریغ قربان کر دی ہو یہاں تک کہ وہ اس اقلیم کا معتوب ترین آدمی رہ گیا ہو، بایں ہمہ معتقدات کی مشعل ہاتھ میں لیے کھڑا ہو۔

(خطوط مہر، مرتبہ انیس جیلانی ص ۳۵)

ملک کی آزادی کے لیے سعی و کوشش اصحاب غیرت و ہمت کا کام ہوتا ہے، مولانا (ابوالکلام) ارباب عزیمت میں بھی نہایت ممتاز درجے پر فائز تھے۔

انہوں نے اٹھارہ بیس سال کی عمر میں آزادی وطن کا عزم استوار کر لیا تھا کیونکہ ہندوستان کی آزادی بجائے خود بھی حد درجہ ضروری تھی اور اس لیے بھی ضروری تھی کہ آبنائے طارق سے ہندوستان تک آبی راستے میں جتنے اسلامی ملک آتے تھے وہ سب ہندوستان کی محکومی کے باعث محکوم ہوئے۔ دنیائے اسلام کے بہت بڑے حصے کی آزادی ہندوستان کی آزادی پر موقوف تھی اس لیے مولانا کہا کرتے تھے کہ ہندوؤں کے پاس آزادی کے لیے قربانیوں کی صرف ایک وجہ ہے مسلمانوں کے لیے دو وجہیں ہیں۔

(کتاب مذکورہ ص ۳۶)

یہ دو اقتباس انیس جیلانی کے بقول "لاہور کے ادبی قطب" (کتاب مذکورہ ص الف) مولانا غلام رسول مہر مرحوم کے ہیں جو نامور صحافی، صاحبِ طرز ادیب، ان گنت علمی و تاریخی کتابوں کے مصنف، مؤلف اور مترجم تھے، وضع داری، شرافت، مروّت اور اعلیٰ انسانی و اسلامی اخلاق کا مرقع--- مدۃ العمر مولانا آزاد سے ان کا ربط رہا حتی کہ دورِ

جوانی میں مولانا کی "تحریک حزب اللہ" کے رکن رکین رہے۔

لاہور میں بہت سے لوگ زندہ ہیں جو اس بات کے گواہ ہیں کہ مہر مرحوم کہتے تھے کہ "میں نے صرف ایک معاملہ میں مولانا سے اختلاف کیا--- اور وہ تھا آزادی کے بعد ملک کی وحدت و تقسیم کا معاملہ، کہ میں اس معاملہ میں مولانا کی رائے سے اتفاق نہ کر سکا"

تاہم اس اختلاف کے باوجود مولانا آزاد سے تعلق خاطر میں کمی نہ آئی اور باہمی دو مذہب سے تعلق رکھنے والے دو شرفا کی آپس میں نبھ جاتی ہے محبت و احترام کا سلسلہ قائم رہا یہی رویہ "شرفا" کا ہوتا ہے--- محدث عصر مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ کے بقول: لیکن ایک مذہب کے دو کمینے ایک دن اکٹھے نہیں رہ سکتے۔"

بہر حال مولانا مہر اس بات کا بھی کھلے بندوں اظہار فرماتے کہ "اب (اور یہ قصہ ہے پاکستان کے چند سال بعد کا) احساس ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں بھی مولانا ہی کی رائے صحیح اور انسب تھی اور ہم اس معاملہ میں جذبات کا شکار تھے۔"

خیر--- سوال اُوپر دیئے گئے اقتباسات کا تھا، مولانا مہر کے محتاط، متوازن اور معتدل قلم سے ابوالکلام کے کردار و عمل کی صحیح تصویر سامنے آتی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ وہ اتنے عظیم انسان اور عبقری تھے کہ ان کی یہی عبقریت اور بڑا پن یاروں کی نگاہوں میں کھٹکنے لگا اور ان کی زندگی اور زندگی کے بعد بھی ان کی ذات گرامی کے متعلق ایسے ایسے شوشے چھوڑ گئے کہ الاماں!

مولانا آزاد نے زندگی بھر ایک اصول قائم رکھا کہ حسد کے ماروں کو جواب نہیں دینا اور ایک مولانا ہی پر کیا منحصر ہے ہر وہ آدمی جو زندگی کو قدرت کا عطیہ اور امانت سمجھتا ہے اور احساس رکھتا ہے کہ صبح قیامت اسے زندگی کے اعمال کا حساب دینا ہے وہ منفی اور لایعنی چیزوں کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے عظیم رسول ﷺ کے اسوہ حسنہ کے مطابق گالی گفتار کے ہر رسیا کا جواب صرف خاموشی اور دعاء ہدایت سے دیتا ہے۔

قرآن عزیز کے اپنے دور کے سب سے بڑے مفسر--- ابوالکلام کی روح جہاں علوم قرآنی کے سمندر میں ہمیشہ غوطہ زن رہی وہاں سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ اور عصر حاضر کی ضروریات کے نقطہ نظر سے اس کی ترتیب جدید بھی ان کا عمر بھر کا معمول رہا اس لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ ان منفی مشاغل میں حیاتِ مستعار کے لمحات ضائع کرتے، انہوں نے مسلمانوں کی بلا شرکت غیرے دعوے دار قیادت کے مدعی جناب محمد علی جناح سے لے کر خانقاہ تھانہ بھون کے فیض یافتہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی تک کسی کو بھی جواب دینے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی اور حسد کی وجہ سے دل کے پھپھولے پھوڑنے والے ہر کودن کو جواب دیا تو محض اتنا کہ:

بدم گفتی و خور سندم عفاک اللہ نگو گفتی
زبان تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

البتہ معاملہ جب دین و ایمان کا ہو تو پھر خاموشی جرم ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کی حیات مستعار میں "جوابی

کارروائی" اسی وقت نظر آتی ہے جب ان کے افکار و معتقدات دینیہ پر ناروا حملہ ہوتا ہے۔

مولانا کے مخلصین نے بھی مولانا کے خلاف ژاژخائی کرنے والے عناصر کے معاملہ میں یہی رویہ اختیار کیا جس کی ایک خوبصورت مثال مولانا مہر ہیں جو ان دیار میں مولانا کے سب سے بڑے عقیدت مند، نیاز مند، اور سب کچھ تھے۔ ان کے سامنے مولانا کے متعلق کیا کیا کہا گیا لیکن مولانا نے اپنے "مرشد" کی طرح ان باتوں کی مطلق پرواہ نہ کی--- بڑی خاموشی اور خلوص و لگن سے مولانا کے سرمایہ علمی کی اشاعت میں مصروف رہے کہ "جہالت" کا سب سے اہم علاج یہی ہے۔ البتہ مولانا کے اعتقادات دینی پر جب بے دردوں نے حملہ کیا تو مہر کی غیرت نے خاموش رہنا گوارا نہ کیا۔

ان حوالوں سے ہٹ کر مولانا کی زندگی اور مرنے کے بعد بڑے بڑے عفت مآب لوگوں نے خوف خدا اور مسئولیت آخرت سے بے نیاز ہو کر شور و غل مچایا جس کی ایک بدترین مثال پنڈت جواہر لعل نہرو کے عتاب کا شکار ان کے سیکرٹری متھائی کا رویہ ہے جس نے نہرو کے غصہ و عتاب کا بدلہ ابوالکلام کی شراب نوشی کی داستان گھڑ کر لیا--- متھائی غیر مسلم تھا اس کے لیے جھوٹ سچ کا کوئی معاملہ نہ تھا لیکن اس کی انگریزی کتاب کو "مقدس اُردو" کا جامہ پہنا کر "پاکستان کے دشمنانِ ابوالکلام" کی روح کی تسکین کا سامان جس نے فراہم کیا وہ لاہور کے ایک نامور اسلامی صحافی شامی صاحب ہیں جو ماشاءاللہ "اسلامی صحافت" کی برکات کے سبب اب لاہور کے بڑے متمول لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔

ان صاحب نے ایک موقعہ پر قادیانیت کی تردید میں لکھی جانے والی کتابوں کے لاتعداد صفحات نقل کر کے اپنے رسالہ کا ایک "نمبر" شائع کر دیا تو ہمارے دوست مولانا اللہ وسایا صاحب، مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت نے انہیں "مجاہدین ختم نبوت" میں شامل کر ڈالا--- فیا حسرتا--- خیر بات لمبی ہو گئی قصہ تھا مولانا آزاد اور ان کے مخلصین کی جوابی کارروائی کا--- تو مولانا نے جوابی کاروائی کی یا مولانا مہر نے، ہر دو کا تعلق عقیدہ کی بحث سے ہے، ظاہر ہے کہ انسان کے پاس اصل سرمایہ عقیدہ کا ہی ہوتا ہے، اسی پر بخشش و نجات کا مدار ہے، ایسے شوشوں پر خاموشی بجائے خود جرم ہے۔

جس کتاب کے دو اقتباس ہم نے ابتداء میں دیئے تھے اس کا ٹائیٹل ہے "خطوط" اور نیچے محض نام ہے "مولانا غلام رسول مہر" کا۔ ایک قاری کے لیے ابتداء میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ یہ خطوط مولانا مہر کے ہیں یا انہوں نے کسی کے مرتب کئے ہیں۔

۱۹۸۳ء کی اس مطبوعہ کتاب کا نسخہ انہی ایام میں میرے انتہائی مخلص کرم فرما اور مرحوم مولانا آزاد کے عاشق صادق ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری نے کراچی سے ارسال کیا تھا، اس کے مرتب "انیس جیلانی" صاحب نے خطوط کی ترتیب اور ان پر حواشی کے معاملہ میں جس بدذوقی کا معاملہ روا رکھا اور اپنے "گراں قدر حواشی" میں مولانا

آزاد، مولانا سندھی اور مولانا مدنی جیسے اساطین ملت پر کیچڑ اچھالا اور خود مولانا مہر کو بے جا اور بے رحمانہ تنقید کا نشانہ بنایا اس سے ان کے ذوق و مسلک کی نشاندہی بخوبی ہو جاتی ہے--- اس لیے ان ایام میں احقر نے ہفت روزہ "خدام الدین" لاہور کے مدیر کے طور پر اس پر ایک مختصر تبصرہ لکھا اور انیس صاحب کو توجہ دلائی کہ مرحوم لوگوں پر اس طرح کیچڑ اچھالنا مناسب نہیں، تنقید کرنی ہی ہے تو اس کے بھی آداب ہوتے ہیں۔ لیکن انیس صاحب جس قافلہ کے قلم کار ہیں ان سے یہ توقع ہی بے جا ہے پھر بقول خود جب ان کی ساری علمی و فکری تربیت مرحوم رئیس احمد جعفری کے یہاں ہوئی ہو تو "تنقید کے حدود" کا کون خیال رکھے گا؟

مرحوم رئیس احمد جعفری وہ بزرگ ہیں جو خانقاہ تھانہ بھون کے فیض یافتہ سید سلیمان ندوی قدس سرہ کے فیض یافتہ اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے ہم مسلک ہونے کے سبب مولانا آزاد مرحوم سے خاص بیر رکھتے، اس سونے پر سہاگہ ان کی ایسی "مسلم لیگیت" تھی جس میں اخلاقی روایات کی پاسداری کا سوال ہی نہیں---- مرحوم جعفری نے مولانا کی کتاب "ہماری آزادی" کا ترجمہ کے نام پر جس طرح جھٹکہ کیا اس کو کم سے کم درجہ میں "علمی بددیانتی کا شاہکار" سمجھا جا سکتا ہے۔

جعفری صاحب ان گنت کتابوں کے مصنف مؤلف اور مترجم تھے، معروف اہل حدیث عالم مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے ترجمہ میں ان کی چابکدستی کا ذکر کرتے ہوئے بتلایا کہ "جو بات سمجھ نہ آئی، اسے نظر انداز کر دیا۔"

مدتوں ان کے ساتھ کام کرنے والے میرے کرم فرما جناب محمد اسحاق بھٹی کے ایک مطبوعہ مضمون میں جعفری صاحب کے قلم کے کارناموں کا دلچسپ تذکرہ ہے ایسے "نابغہ" کی تربیت میں رہنے والے سید انیس شاہ جیلانی سے مولانا آزاد اور ان کے عقیدت کیش مولانا مہر کے متعلق انصاف کی توقع ہی عبث ہے انیس صاحب نے اس کتاب میں جو بے ہنگم حواشی گھسیٹے ہیں ان میں ص ۱۷ پر مولانا عبدالمجید سالک مرحوم کی کتاب "یارانِ کہن" (ص ۴۲) کا اقتباس درج کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "مولانا آزاد مرزا غلام احمد کے دعاوی سے تو کوئی سروکار نہ رکھتے البتہ ان کی حمیت و غیرت اسلامی کے قدردان تھے اسی قدردانی کے سبب انہوں نے "وکیل" (امرتسر) کے ایڈیٹر کے طور پر مرزا صاحب کی وفات پر شذرہ لکھا اور لاہور سے بٹالہ تک جنازے کے ساتھ گئے۔

سالک بھی، مہر صاحب کی طرح مولانا آزاد کے عقیدت کیشوں میں سے تھے، ان کے حوالہ سے ایک تاثراتی کتاب میں یہ بات بڑی عجیب تھی بد قسمتی سے سالک کے والد اور بھائی قادیانی تھے لیکن سالک مرحوم خود اللہ تعالیٰ کے فضل سے صحیح العقیدہ مسلمان---- اس کا اقرار و اعتراف سالک کے خطوط کے مجموعہ "نوازش نامے ص ۱۵-۱۶" میں ہے اس کے علاوہ "بزم سالک" کے ایک حاضر باش اور میرے کرم فرما حافظ ریاض احمد اشرفی رحمہ اللہ اور سالک کے ہونہار فرزند مکرمی ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے پوری دیانت داری سے اس کی شہادت دی۔ "یارانِ کہن" کے اس اقتباس کا قادیانی حضرات نے بارہا ذکر کیا لیکن قادیانی حضرات سے ہمیں کیا شکوہ؟ جو لوگ صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم اور اساطین امت کی بعض نامور شخصیات کے حوالہ سے "اجرائے نبوت" کا دعوی رکھتے ہوں اور ایک بے ننگ و نام کو مسند نبوّت پر بٹھاتے ہوں ان کے نزدیک ابوالکلام بے چارے کی کیا حیثیت---- ویسے بھی قادیانی حضرات کی مسلم لیگ سے گھری دوستی و تعلق بھی ان کے لیے ابوالکلام کے خلاف پروپیگنڈے کا جواز فراہم کرتا ہے چونکہ سالک، مولانا آزاد کے کٹر سیاسی مخالف تھے اسی مخالفانہ ذہنیت کی وجہ سے ان سے لغزش ہوئی جس کی تصحیح ایک خط میں مولانا آزاد کی ہدایت پر آپ کے سیکرٹری اجمل خان نے کر دی جو اجمل خان کی طرف سے مولانا کی تحریرات کے مجموعہ میں شامل ہے اور ہفت روزہ چٹان نے بھی ۱۹۵۶ء میں اس کو شائع کر دیا۔ (۱)

اسی خط پر سالک نے اجمل صاحب کو خط لکھ کر مولانا سے معذرت چاہی وہ خط بھی "چٹان" میں مندرج ہوا اور انیس صاحب نے ص ۲۱ پر نقل کر کے اس پر بھی بھرپور طنز کی جو ان کے مزاج کا حصہ ہے۔

سالک مرحوم نے انیس صاحب کے خطوط کے جواب میں جو لکھا وہ سالک کے مجموعہ خطوط "نوازش نامے" (ص ۱۰ تا ۲۱) کے علاوہ اس کے اقتباس اس مجموعہ میں بھی ۱۸-۱۹ پر ہیں--- اس میں سالک صاحب نے دھلی میں اس دوران مولانا سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

> "دہلی میں مولانا ابوالکلام آزاد سے ملاقات ہوئی۔ دورانِ ملاقات میں انہوں نے فرمایا آپ میرے مدت العمر کے عزیز ہیں اس لیے مجھے شکایت ہوئی کہ خلاف واقعہ بات آپ کے قلم سے کیوں نکلی؟" (ص ۱۹)

اس کے بعد اس پر بحث بالکل فضول ہے۔ قادیانی یا انیس جیلانی جیسے دشمنانِ ابوالکلام---- جی نہیں دشمنانِ دین و شرافت اس عظیم انسان کے دامن پر چھینٹے برسانے کی لایعنی تدبیریں کریں تو ان کی مرضی---- انھیں احساس ہونا چاہیے کہ اس پر فریب دنیا کا قصّہ جلد ہی تمام ہوا چاہتا ہے، پھر ہم سب اُس خدائے بزرگ و برتر کے حضور حاضر ہوں گے جو کسی کی رعایت کرے گا نہ کسی کی سفارش مانے گا، جہاں جھوٹے گواہ ہوں گے نہ دھن دھونس دھاندلی، اس وقت کی سختیوں سے بچنے کے لیے اپنے طرزِ عمل کی اصلاح از بس لازم ہے--- "توبوا الی اللہ توبۃً نصوحاً" مولانا کے دامن پر جو چھینٹے برسائے جاتے ہیں ان میں "نزول مسیح" کے حوالہ سے بھی ایک چھینٹا ہے---- سیدنا مسیح علیہ السلام انبیائے سابقین میں ایک ایسے بزرگ ہیں جن کی ولادت سے ہی ان کے متعلق بعزات کا ظہور سامنے آنے لگتا ہے، قرآن عزیز نے ان کی داستانِ حیات کی اکثر کڑیاں ذکر فرما دی ہیں---- مولانا

۱- مولانا عبدالمجید سالک نے ایک کتاب یارانِ کہن کے نام سے لکھی ہے۔ جس میں بعض بے بنیاد باتیں مولانا کے متعلق درج ہیں مثلاً یہ کہ مولانا مرزا غلام احمد کی کتب سے بہت متاثر ہوئے یا جنازے کے ساتھ قادیان گئے وغیرہ۔ مناسب یہ ہے---- کہ سالک صاحب خود اس کی تردید کر دیں---- "وکیل" میں مرزا غلام احمد کی وفات پر جو مقالہ افتتاحیہ چھپا تھا وہ منشی عبدالمجید کپور تھلوی کا لکھا ہوا تھا۔ مولانا کا اس اداریہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ "(مکتوب محمد اجمل خان ہفت روزہ "چٹان" لاہور ۱۳ فروری ۱۹۵۶ء)

حفظ الرحمان رحمہ اللہ نے اپنی معروف کتاب "قصص القرآن" کی آخری جلد میں ان تفصیلات کو مرتب فرما دیا ہے۔

یہود کی مذہبی عدالت کی چیرہ دستی سے جب اس معصوم انسان کو پھانسی کی سزا سُنائی گئی تو موت و حیات کے مالک رب نے انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھا کر قرب قیامت تک آسمان پر زندہ رکھنے اور قرب قیامت میں دنیا میں بھیجنے کا اعلان فرما دیا۔

ان کے رفع الی السماء کی تصریح قرآن عزیز کی سورہ آلِ عمران آیت ۵۵ اور سورۃ النساء آیت ۱۵۸ میں موجود ہے۔ جبکہ سورۃ زخرف آیت ۶۱ میں انہیں علم للساعۃ کہا گیا اور احادیث مبارکہ میں ان کے رفع و نزول کا بسط و تفصیل سے ذکر ہے، استاد مکرم مولانا محمد شفیع سرگودھوی رحمہ اللہ اس معاملہ کو حدیثی حوالہ سے متواتر قرار دیتے ہیں۔ مولانا آزاد قدس سرہ نے صاف صاف بات لکھی۔

"قرآن آ چکا اور دین کامل ہو چکا--- دین اسلام اپنی تکمیل میں اب کسی نئے ظہور کا محتاج نہیں--- ہاں بلاشبہ احادیث میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ایک ایسے نزول کی خبر دی گئی ہے جو قیامت کے آثار و مقدمات میں سے ہوگا کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ ان کا ظہور بہ حیثیت رسول کے ہوگا یا تکمیل دین کا معاملہ ان کے نزول پر موقوف ہے۔"

اس سیدھی سادی بات کو اس طرح غلط معنی پہنائے گئے کہ الامان--- سلفی حضرات جن کی کانفرنسوں اور جلسوں میں بارہا مولانا شریک ہوئے، انہوں نے اس آڑ میں مولانا پر "حجیت حدیث" کے انکار کا الزام تک لگا دیا جو بڑی افسوسناک روش تھی۔ سیدنا مسیح کا ایک خاص حوالہ سے نزول--- ایک حقیقت ہے اور مولانا اس کے معترف و مقر ہیں جبکہ تکمیل دین کی بات سب سے بڑی حقیقت ہے اور اس سے ملتی جلتی یہ حقیقت کہ "نجات کے لیے کسی نئے ظہور پر ایمان" کا کوئی سوال ہی نہیں، اعتقادات کا باب مکمل ہے اور بس۔ مسلمان قوم ان آخری صدیوں میں جن حوادث سے دوچار ہوئی اور اس کی قسمت کی ڈوری جس طرح الجھی اس کے سلجھانے کا معاملہ جب ان سے نہ ہو سکا تو انہوں نے الف لیلوی انداز میں نئے نئے ظہور کی باتیں شروع کر دیں جس کے بعد ان کے دلدر دور ہوں گے--- اس تصور کی تہہ میں اصل سازش یہود کے عجمی ایڈیشن سبائیت کی کار فرما تھی جس نے ابتدا ہی سے اسلام کی اپوزیشن کا رول ادا کرنا شروع کر دیا تھا اور مسلمانوں کے ہر معاملہ بالخصوص ان کے معتقدات کا حلیہ بگاڑنے کی بھرپور سعی کی اسی بگاڑ کا ایک حصہ ایک ایسے "مہدی" کا تصور تھا جو ان کے "مزعومہ ائمہ معصومین" کی آخری کڑی ہے--- اس کا نام من گھڑت روایات کے مطابق محمد ہے تو لقب مہدی--- وہ پیدا ہو چکا ہے لیکن مستقبل میں مسلمانوں کی عظمت کا پھریرا لہرانے والا فی الحال بزدلی کے سبب روپوش ہے--- هذا خليفة الله المهدى کی صدائیں اس کے لیے آسمان سے آئیں گی اور وہ جنگلیوں میں سارے مسائل حل کر دے گا--- شیعہ نے اپنا الو سیدھا کیا اور "سُنی مُنی سُنّتی" ان کی سازش کا شکار ہو کر اس کے انتظار میں نہ صرف ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گئے بلکہ اس پر ایمان کو

عقیدہ کا حصہ بنا ڈالا حتی کہ "ہر صدی کے مجدد" کو بھی اسی کھاتہ میں شمار کر لیا جبکہ احادیث میں "مجدد" کا ذکر اس حوالہ سے ہے کہ وہ دین کو "بدعات و تحریفات" سے پاک کرے گا لیکن واحسرتا کہ مجدد کے معاملہ میں بدعت و تحریف کا رویہ اپنا لیا گیا اور ابوالکلام جیسے دین شناسوں نے صحیح بات کہی تو ان پر بدعقیدگی اور حجیت حدیث کے انکار کا الزام لگا دیا--- انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس حوالہ سے مولانا کے جو خطوط تھے وہ ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" کی اشاعت فروری ۱۹۸۸ء میں چھپ چکے ہیں۔ تازہ کرنے کی غرض سے انہیں دوبارہ دیکھ لیں، ہم نے انیس جیلانی جیسے حاسدین کی بات کی صفائی کے ساتھ اس معاملہ کو بطور خلاصہ پیش کر دیا تاکہ سیدھے سادے مسلمان "عظیم آزاد" کے معاملہ میں بدگمانی کا شکار نہ ہوں۔

پسِ تحریر

احقر نے "مولانا ابوالکلام آزاد پر ایک تہمت کی حقیقت" والی تحریر لکھی تو میرے بہت ہی عزیز دوست سید کفیل بخاری نے بجا طور پر اس طرف توجہ دلائی کہ نفس معاملہ کے حوالہ سے اصولی بات بجا طور پر آ گئی لیکن انیس شاہ جیلانی صاحب نے اپنے مخصوص ذوق و مسلک کے حوالہ سے جو گند اچھالا ہے اور مولانا عبدالمجید سالک نے ماننے کے باوجود چور دروازے کھلے رکھے ہیں (تاریخ کا ریکارڈ درست رکھنے کے لیے) ان پر گرفت ضروری ہے۔ جہاں تک اس تحریر مطبوعہ کے مرتب اور مولانا غلام رسول مہر مرحوم کے مکتوب الیہ انیس شاہ کا تعلق ہے ان کے متعلق اوپر کی تحریر میں جتنا کچھ آ گیا ہے اس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں، موصوف کی جن گودوں میں تربیت ہوئی وہ جس ماحول میں پلے بڑھے اور جس حلقہ کی عظمتوں کے وہ اسیر ہیں، ان سے یہ توقع ہی عبث ہے کہ وہ خیر کی بات مانیں گے، مولانا غلام رسول مہر جیسے اپنے محسن کے خطوط پر انہوں نے جو زہریلے حاشیے چڑھائے ہیں وہ محسن کشی کی بدترین مثال ہے پھر ان حواشی میں مسلم لیگ کی سیاست سے اختلاف رکھنے والے مردان احرار پر جس طرح چھینٹے برسائے ہیں ان کی اندرونی کیفیت اس سے واضح ہو جاتی ہے مرحوم آغا شورش پر ان کی طعن زنی کی تو حد نہیں، محض اس لیے کہ شورش، غالی ابوالکلامی" ہیں (اس قسم کی اصطلاحات آپ کو بہت ملیں گی) چونکہ سالک صاحب کی کتاب "یارانِ کہن" چٹان سے چھپی جس سے یہ ساری بحث چڑھی اس لیے انیس صاحب عجیب و غریب طریق سے آغا صاحب پر برسے ہیں لیکن وہ یہ بھول گئے کہ آغا صاحب انسان تھے معصوم نہ تھے مولانا عبدالمجید سالک پر اعتماد کر کے انہوں نے مسودہ چھاپ دیا اور کچھ نہیں، اس پر اس قسم کے حواشی چڑھانا کہ گویا آغا صاحب دو طرفہ مفاد حاصل کرنے کے چکر میں تھے انیس شاہ کی بدذوقی کی انتہا ہے اس لیے ان کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہاں مولانا سالک کے حوالہ سے چند گذارشات کا اضافہ پیش خدمت ہے۔

یہ صحیح ہے کہ مولانا سالک قادیانی نہ تھے اور وہ عقیدہ کی حد تک امت کے سواد اعظم کے ساتھ متفق تھے،

تاہم عصرِ رواں کے "روشن دماغ" انسانوں کی طرح اس قسم کے مسائل میں رواداری کی غلط بیماری اغلباً ان میں بھی تھی گو کہ رواداری شرعاً اچھی چیز ہے پھر بھی اس کی کوئی حدود ہیں رواداری کا یہ مفہوم قطعاً نہیں کہ آدمی ملت کی جڑیں کھوکھلی کرنے والوں کے لیے دیدہ ودل فرش راہ کردے۔ مولانا ابوالکلام آزاد ایک کھرے مسلمان تھے، عقائد کے باب میں اسلاف امت کے سے عقائد رکھتے کاش ان کی تفسیر مکمل ہوجاتی تو سورۃ الاحزاب کی آیت خاتم النبیین پر ان کے قلم کی روشنی بہت سوں کے دماغی خلل کے علاج کا باعث بن جاتی اس کے باوجود ان کی بہت سی تحریریں اس حوالہ سے پیش کی جاسکتی ہیں جن میں "میرا عقیدہ" کے عنوان سے چھپنے والے خطوط بڑے اہم ہیں جن میں مولانا مرحوم نے عقیدہ ختم نبوت پر اچھوتے انداز سے روشنی ڈالی ہے لیکن یہ ساری باتیں حقیقت شناس لوگوں کے لیے ہیں۔ انیس شاہ جیلے لوگ جو ابوالکلام کی "کانگریس زدگی کا خاص انداز سے ذکر کرتے ہیں ان پر اثر ہو تو کیوں کر؟ ایسے لوگ بلامبالغہ ختم اللہ علی قلوبھم کا مصداق ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ورنہ کانگریس کی شرکت جرم تو نہ تھا اور پاکستان کے ۴۶ برس بعد مسلم لیگ کی پاکدامنی وعفت مآبی واضح ہو چکی ہے--- رہ گیا مولانا سالک کا معاملہ، تو مولانا آزاد کے سیکرٹری اجمل صاحب کے وضاحتی خط اور دہلی میں بوقت ملاقات مولانا آزاد کی ذاتی وضاحت کے بعد بھی اپنی تحریر کو حقیقت قرار دینا اور اس پر اللہ میاں کی گواہی ڈالنا (ص ۱۷) نرم سے نرم الفاظ میں مولانا سالک کی افسوسناک جسارت تھی جس کی توقع ان سے نہ تھی، کیا یہ خاندانی بزرگوں کے احترام کا معاملہ تھا جو بقول سالک قادیانی تھے (ص ۲۱) یا اس کا سبب کوئی دوسرا تھا، میرے لیے اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے آج سالک مرحوم زندہ ہوتے تو ان کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا اور اس معاملہ کی وضاحت چاہتا کہ روبرو مولانا کی تردید ووضاحت کے بعد انہوں نے غریب ومظلوم ابوالکلام پر اس تہمت کو کیوں روا رکھا؟ بدقسمتی سے انگریزی راج کے بعد یہاں عقیدہ و مذہب کا معاملہ بہت سے بڑے لوگوں کے نزدیک جس طرح ثانوی قرار پایا وہ ایک المناک داستان ہے، آج بہت سے افراد کے حوالہ سے غیر مسلم خواتین سے شادی یا اپنی صاحبزادیاں غیر مسلم افراد سے بیاہنے جیسی جتنی باتیں ہیں وہ سب اس لیے ہیں کہ یہاں مذہب کو ثانوی درجہ دے دیا گیا؟ سالک صاحب ایک تو بٹالہ کے فرد تھے جس کا جغرافیہ قادیان سے جڑا ہوا تھا پھر خاندان کے بہت سے افراد قادیانی تھے جیسا کہ خود ان کا اعتراف ہے اس لیے قادیانیوں کے مسئلہ کو شاید زیادہ اہمیت نہ دیتے اور دیوبندی بریلوی یا شیعہ سنی کی طرح جھگڑا خیال کرتے حالانکہ شیعہ سنی جھگڑا بھی محض ایسا نہیں بلکہ فی الحقیقت ہر گمراہی کی جڑ ہے، بہرحال انہوں نے ایک بڑی زیادتی کی مولانا ابوالکلام کی ذاتی اور ان کے سیکرٹری کی وضاحت کے باوجود بھی اپنے ناروا اور غلط موقف پر ڈٹے رہے اور یہ نہ سوچ سکے کہ جس طرح ان کے اخبار "انقلاب" میں ان کی رائے اور موقف کے خلاف بہت سی چیزیں چھپتی تھیں اس طرح "وکیل" کا کوئی شذرہ ابوالکلام کی رائے کے خلاف بھی ہو سکتا ہے جبکہ ابوالکلام "وکیل" کے مالک نہیں ملازم مدیر تھے--- مولانا ابوالکلام کا دامن اس تہمت سے بری الذمہ ہے سالک نے بڑی جسارت اور زیادتی کی ان کا معاملہ ان کے مالک کے سپرد!

❋❋❋